پیغام آفاقی

پرفیسر صغیر احمد

پیغام آفاقی کا ناول ''مکان'' دراصل اسٹیبلشمنٹ سے جوجھنے کی کہانی ہے۔ نیرا میڈکل کالج کی طالبہ ہے وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے مکان میں رہتی ہے۔ مکان کا ایک حصہ اس نے کرایہ پر دے رکھا ہے۔ کرایہ دار مکان چھین لینا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر طرح کے ہتھ کنڈے استعمال کرتا ہے قانونی اور غیر قانونی دونوں وہ پولیس کو اپنے سرمائے اور اثر و رسوخ سے اپنے حق میں کر لیتا ہے۔ پولس افسر کا نظریہ ملاحظہ فرمائے:

''ہر لڑکی اپنے انداز کی الگ ہی ہوتی ہے اور اپنے کو الگ ہی انداز کی سمجھتی ہے۔ لیکن مجھے بھی اب دلچسپی ہے کہ میں اس لڑکی کو ایک مخصوص خوبصورتی سے ہینڈل

کر کے انچارج اور یہاں کے پورے عملے کو دکھاؤں
کہ ہمیں انوکھی صورتِ حال میں کیسے کام کرنا چاہیے۔
آپ دیکھئے تو رفتہ رفتہ تھانے اور کورٹ بھگاتے
بھگاتے اور قدم قدم پر اسمارٹ نس کا موقع دیتے
دیتے، ساتھ ہی چابک دستی سے اس کے اوپر دباؤ
بڑھاتے بڑھاتے، میں اس کے پرس کے پیسے اور
آنکھوں کی چمک سب چھین لوں گا۔ وہ اس خوش گمانی
میں رہے گی کہ وہ بہادری سے ہمارا مقابلہ کر رہی ہے
اور اسے پتہ بھی نہیں چلے گا کہ وہ وہاں جا رہی ہے اور
ان لوگوں سے مدد لے رہی ہے جہاں ہم چاہتے
ہیں۔ ہم ہی ایک طرف سے اسے دبائیں گے اور
دوسری طرف سے اسے پچکاریں گے اور سہارا دیں
گے۔''

نیرا اپنے مکان کو حاصل کرنے کے لیے ایک جنگ لڑتی ہے اور یہ جنگ ایک نفسیاتی جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسے اس وقت زبردست دھچکا لگتا ہے جب بدیس میں رہنے والا اسکا منگیتر دیپک اسے اس جنگ میں تنہا چھوڑ کر چلا جاتا ہے

''وہ دہلی واپس آئی۔ گھر کا دروازہ کھولا تو سامنے ایک لفافہ پڑا تھا۔ کھول کر دیکھا تو اس کے منگیتر دیپک کا خط تھا وہ پڑھنے لگی۔ 'میں دلی آیا تھا آپ سے ملنے آیا' آپ نہیں تھیں تو آپ کے پڑوس کے کمار سے ملا ان کی گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مکان کے سلسلے میں آپ لوگوں میں بات اس قدر بڑھ گئی ہے کہ معاملہ اب تھانے اور کورٹ میں جارہا ہے اور معاملات انتہائی تیزی سے بگڑتے ہی جارہے ہیں۔ میں نہ تو خوامخواہ اس لڑائی میں کودنا چاہتا ہوں نہ اپنا ویزا برباد کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنا ارادہ بدل کر جارہا ہوں۔' اسے لگا کہ آج وہ اپنے گھر میں مکمل تنہا ہے۔''

نیرا کے سامنے جو خطرہ تھا وہ صرف مکان کا نہیں تھا اس کی اپنی زندگی کی ہر چیز خطرے میں دکھائی دے رہی تھی۔ جب عدم تحفظ کا احساس جکڑ لیتا ہے تو وہ ایک اے۔ سی۔ پی۔ آلوک سے مدد مانگتی ہے۔

''نمسکار میرا نام نیرا ہے۔''

''ہاں مجھے سرلا نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔آپ کیسی ہیں۔''

''ٹھیک ہوں۔ میں آپ سے ملنے آنا چاہتی ہوں۔ میرے کچھ پرابلم ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے۔آپ آجایئے۔''

''میں ابھی تو کالج جارہی ہوں۔ابھی اس لیے فون کیا کہ آپ سے پوچھ لوں کہ آپ کو کب فرصت ہوتی ہے۔''

''اگر آپ کہیں تو آج دوپہر کے بعد یا پھر کل آجاؤں۔''

''آپ کو جس وقت سہولت ہو آجایئے۔''

'' نیرا خاموش ہوگئی، پھر ایک لمحے بعد بولی تھینک یوسر''

آلوک نیرا کے مسئلے سے زیادہ اس میں دلچسپی لیتا ہے حالانکہ نیرا کو لگتا ہے کہ آلوک اس کا مکان اسے واپس دلا دے گا۔

''ایک دن تو نیرا نے اس سے کہا تھا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ میرے مسئلے میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں جتنا خود میں بھی نہیں لیتی۔''

''نیرا..... اس وقت تو میری ساری تخلیقی صلاحیتوں کی آبرو داؤ پر ہے تمہارا مقدمہ میرے یقین اور اعتماد کی راہ میں ایک بھاری پتھر بن کر اڑ گیا ہے..... اور میں اسے اپنے دل کے نازک ریشوں میں باندھ کر آہستہ آہستہ کھسکا رہا ہوں۔''

کیا وہ چونک گئی تھی۔

''ہاں میں جو کچھ جھیل رہا ہوں تم اسے نہیں محسوس کر رہی ہو۔ اس لیے چونک رہی ہو، لیکن میں جس جدو جہد میں لگا ہوں اس سے پیدا ہوتی ہلچل کی لہریں میرے چہرے اور میری آنکھوں پر ابھرتی ہیں۔ اٹھتی ہوئی شکل میں نہیں۔ بھاگتی ہوئی لہریں ہیں۔ مدھم لہریں، صرف لہریں جن کا کوئی رنگ نہیں، جن کی شکل نہیں جو صرف اٹھتی ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتیں، میں تو بالکل نارمل دکھائی دیتا ہوں۔''

''حالاں کہ ہوں نہیں۔''

نیرا درد بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اچھا تم کل ملنا لیکن جیسے نیرا کو یہ بات بے محل لگی۔''

وہ بیٹھی رہی اور مسلسل آلوک کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

آپ مجھے پوری طرح بتایئے۔''

آلوک کو ایسا لگا جیسے کوئی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہو۔

اس کی آنکھوں میں جیسے کوئی آنسوں چھلک آئے اور وہ بھیگی ہوئی آواز میں سب کچھ جو اس کے ذہن سے گزرا تھا وہ دوبارہ بیان کرتا چلا گیا۔

جب نیرا وہاں سے اٹھی تو بالکل مطمئن تھی۔

وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوا اور کچھ کہتا رہا۔

لیکن آخری جملے کو کہ میں تو بالکل نارمل دکھائی دیتا ہوں حالاں کہ ہوں نہیں اس اعتماد سے صاف لہجے میں کہا جس سے یہ یقین جھلک رہا تھا کہ اس کی پوری بات نیرا کے اندر اتر گئی اور اس نے دیکھا..... نیرا کی آنکھوں کا رنگ گہرا ہو گیا تھا۔

وہ جانے سے پہلے اس کو دیکھ کر مسکرائی جیسے تناؤ کی

آخری گرد کو بھی دھو دینا چاہتی ہو۔

''اچھا'' اس کے چہرے پر شگفتگی کی ایک لہر سی جھلکی

رفتہ رفتہ آلوک کا نیرا سے رشتہ کچھ اس طرح گھنا ہوتا چلا گیا کہ پیچ در پیچ شاخیں نکلتی چلی گئی تھیں اور ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے ہر گوشے میں گھستی چلی گئی تھیں اور ان شاخوں میں بے شمار ان دیکھی باتیں نمایاں ہو چکی تھیں۔ نیرا کے ساتھ چلتے چلتے زندگی ایک سے دو اور پھر کئی روپ میں بٹتی چلی گئی تھی۔''

آلوک کا نیرا سے رشتہ گھنا تو ہوتا چلا گیا لیکن آلوک بھی اس کے مکان کا مسئلہ حل نہیں کر پاتا ہے۔ آپ یہاں آلوک کے کردار کو کمزور کردار کہہ سکتے ہیں لیکن اگر وہ مسئلہ کے حل کر دیتا تو نیرا کی ساری جدوجہد اور مسئلہ کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔ پیغام آفاقی نے بہت سمجھداری سے مکان کے مسئلہ کو مسئلہ آخر وقت تک بنائے رکھا ہے کیونکہ اس کا کوئی حل بھی نہیں ہے۔ آئے دن اس طرح کے واقعات درپیش آرہے ہیں اور دبنگ لوگ کمزوروں کے مکان پر قابض ہو رہے ہیں۔

میں نے اوپر لکھا ہے کہ ''مکان'' Establishment سے جوجھنے کی کہانی ہے یہ پورا Establishment طاقت ور اور دولت مند

لوگوں کے آگے جھکتا ہے اور کمزور طبقہ احتجاج کرتا ہے اپنی آواز بلند کرتا ہے لیکن اس آواز کا گلہ کسی نہ کسی طور گھونٹ دیا جاتا ہے۔ احتجاج کو دبا دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر کوثر مظہری ''مکان'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پیغام آفاقی کا یہ ناول صرف مالک مکان اور کرایہ دار کی کہانی پیش نہیں کرتا بلکہ معاشرے کی مختلف جہتوں کو سامنے لاتا ہے۔ اس ناول سے اندازہ ہوتا ہے کہ پولس برادری اور معاشرے میں برائیوں کو فروغ دینے والوں کے درمیان ایک طرح کی سانٹھ گانٹھ ہوتی ہے۔ پیغام آفاقی کا تعلق چوں کہ پولس محکمے سے ہے، اس لیے وہ اس کی باریکیوں اور نشیب و فراز کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ نیرا کے کردار کو ناول نگار نے ایک Ideal بنا کر پیش کیا ہے مگر اس میں جدو جہد کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ پیغام آفاقی کا اسلوب سیدھا سچا ہے۔ کہیں کہیں سادگی میں مصنوعی اور بھاری بھرکم زبان در آنے سے اسلوب ناہموار ہو گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے شعور کی پختگی اور فنّی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے مکان کی تکمیل کے بعد اپنا ایک اسلوب پیدا کر ہی لیا ہے۔ اس ناول میں کچھ

چیزیں دہرائی گئی ہیں۔ اگر سو صفحات کم کر دیے جائیں تو
کہیں کہیں بے جا طوالت سے جو اکتاہٹ ہوتی ہے،
وہ عیب ختم ہو جائے گا۔''

ناول ''مکان'' میں تیسرا کردار بے حد کامیاب ہے۔ پیغام آفاقی نے پہلی بار ایک ایسا کردار دیا ہے جو شروع سے آخر تک جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ مسائل سے جھوجھتی رہتی ہے اور اسٹیبلشمنٹ کے خلاف آواز بلند کرتی رہتی ہے۔ نسوانی کردار کو پہلی بار اتنی مضبوطی کے ساتھ ابھارا گیا ہے۔ جو آخر وقت تک ہار نہیں مانتی ہے اور نہ کبھی ٹوٹتی ہے۔ ایک لڑکی جس کے ساتھ کسی مرد کا ساتھ نہیں ہے اور وہ اسٹیبلشمنٹ سے نبرد آزما ہے یہ بری بات ہے۔ احتجاج اور حالات سے لڑنے کی جو جرات مندانہ کوشش نیرا کرتی ہے وہ لائق ستائش ہے اور یہی اس ناول کی کامیابی ہے۔

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی رقمطراز ہیں:

''مکان طوالت اور بوجھل پن کے باوجود زبان و بیان
کی ایسی خوبیاں رکھتا ہے جو قاری کو متاثر کرتی ہیں اور
مصنف کی زبان و بیان پر قدرت کا اظہار بھی کرتی
ہیں۔ اس میں نثر کے مختلف اسالیب کا سہارا لیا گیا ہے
اور روایتی بیانیہ، خود کلامی، شعور کی رو، مابعد الطبیعات،

اساطیر اور فکر و فلسفے کی مدد سے ایسا متن تیار کیا گیا ہے
جس میں فن کاری ہے انفرادیت ہے اور انسانی اقدار کی
بازیافت کا ایک روشن منور راستہ ہے جس پر ناول ختم
کرنے کے بعد ہر قاری چلنا اور آگے بڑھنا پسند کرے
گا۔''

(اردو ناول کے اسالیب۔صفحہ۔308)

پیغام آفاقی کا نیا ناول ''پلیتہ'' 2010 میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول پر اپنی رائے دیتے ہوئے حقانی القاسمی لکھتے ہیں:

پیغام آفاقی کا ناول ''پلیتہ''عظیم ہے یا نہیں۔ یہ تو وقت
طے کرے گا۔ پہلے یہ تو واضح ہو جائے کہ عظمت کا معیار
کیا ہوگا۔ یہ مسئلہ ہماری تنقید کے المیے سے جڑا ہوا ہے
کہ ابھی تک کسی بھی صنف کے تعلق سے عظمت کے
واضح اصول متعین نہیں کئے گئے ہیں۔ کہیں مشکل
پسندی معیار ہے تو کہیں سہل ممتنع کہیں ابہام و تجرید تو
کہیں سپاٹ بیانیہ۔ عظمتوں کے معیار بدلتے رہتے
ہیں اور خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے ان تخلیق کاروں کو جن کے
یہاں عظمتوں کے عناصر موجود ہوتے ہیں مگر ناقد کی

ذہنی ترجیحات ان عناصر کی جستجو میں ناکام رہ جاتی ہیں۔
کم از کم کوئی نہ کوئی ایسا معیار تو مقرر کرنا ہی پڑے گا کہ آفاقی بھی خوش رہیں، ذوقی بھی ناراض نہ ہوں معنی باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔ آخر عظمت کا معیار موضوع، اسلوب، نظریا نظریہ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

جہاں تک اس ناول کے موضوع کا سوال ہے تو اس کا کینوس بہت وسیع ہے اور یہ ملٹی ڈائی من شنل اور زمانی مکانی تعنات سے ماورا ہے جب بڑی ریاضت اور ریسرچ کے بعد تحریر کیا گیا ہے اور نقطہ کی بات یہ ہے کہ کالا پانی پر کتابیں تو لکھی گئی ہیں مگر اس نقطہ پر کسی کی نظر نہیں ٹھہری جو نقطہ ناول نگار نے دریافت کیا ہے اور یہ ایک خلاق ذہن ہی اس طرح کی اختراع کرسکتا ہے کہ نگاہ شوق سے ہی نئے منطقے روشن ہوتے ہیں۔

ناول نگار نے کالا پانی کو ایک محور و مرکز بنا کر قدیم دور سے لے کر آج تک کہ تمام انسانی مسائل کا منطقی محاسبہ لیا ہے اور واضح کیا کہ کالا پانی جبر کا ایک استعارہ ہے اور

یہی جبر پورے برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔پلیتہ میں مرکزی کردار تو خالد سہیل ہے جو ایک سائیکومیشیا(Psychomatia) کی کیفیت سے دوچار ہے اس کے ذہن کے اندر ایک جنگ کی سی کیفیت جاری رہتی ہے۔کالا پانی کے تناظر میں وہ پوری دنیا کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ محسوس کرتا ہے کہ کالا پانی ایک تجارتی ذہنیت کی دین تھی برطانوی تجارتی ذہن نے اسے تعمیر کیا تھا وہاں برطانوی حکومت نہیں تھی بلکہ تجارت تھی جس نے اپنے مفاد کے لیے ایک جیل خانہ تعمیر کیا تا کہ وہان کے معصوم قیدی کو اپنے تجارتی اغراض ومقاصد کے لئے استعمال کیا جائے یہی وہ نکتہ ہے جس کا عرفان خالد سہیل کو ہوا۔ ناول نگار نے کالا پانی کے تمام دستاویزات اور وثائق کے حوالے سے یہ بات واضح کی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی حکومت نہیں تھی بلکہ ایک تجارت تھی۔ برطانوی اقتدار ایک تاجرانہ پروجیکٹ کا حصہ تھا ناول میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔''

☆☆☆